دعوت و تبلیغ کا داعی

سلسلہ نمبر 158 | جمادی الثانی 1447ھ | نومبر 2025

زوالِ خلافت سے احیائے امت تک

ڈاکٹر مولانا نعمان نعیم

رئیس و مہتمم

الجامعۃ النبویۃ العالمیۃ

شعبۂ تصنیف و تحقیق

الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ پر ایک طائرانہ نظر

(1) سنگِ بنیاد : 1978ء — بدستِ مبارک : حضرت قاری صاحبؒ

(2) مہتمم اول: مفتی محمد نعیمؒ — مہتمم ثانی : مولانا محمد نعمان نعیم زید مجدہم

(3) مجموعی مقیم طلباء: 4500 عدد — طالبات : 700 عدد

(4) تعلیمی شعبہ جات:

۱۔ ناظرہ و حفظ قرآن ۲۔ درس نظامی ۳۔ تخصص فی الفقہ ۴۔ تخصص فی التفسیر ۵۔ تخصص فی الحدیث ۶۔ دار التصنیف والتحقیق ۷۔ دار الافتاء والقضاء ۸۔ آن لائن اکیڈمی ۹۔ انٹرمیڈیٹ کالج ۱۰۔ اسلامک یونیورسٹی ۱۱۔ عربی و انگلش لینگویج سینٹر ۱۲۔ الکلام مکتب۔

(5) رفاہی، سماجی، غیر نصابی شعبہ جات:

۱۔ جامعہ بنوریہ ویلفیئر ٹرسٹ ۲۔ جامعہ بنوریہ اسکول ڈیولپمنٹ سینٹر (BSDC) ۳۔ میڈیکل سینٹر ۴۔ وفاق المساجد ۵۔ اصلاح امت مسلمہ ۶۔ اخبار المدارس ۷۔ جامعہ بنوریہ میڈیا ۸۔ شرعیہ کونسل ۹۔ تعمیرات ۱۰۔ رویت ہلال ۱۱۔ سکریٹری ۱۲۔ لائبریری ۱۳۔ آن لائن فتاویٰ ۱۴۔ اصلاح اعمال ۱۵۔ دار الایتام ۱۶۔ شعبہ حوالہ جات

(6) شاخہائے جامعہ اندرون ملک:

۱۔ مدرسہ تحفیظ القرآن ناظم آباد گول مارکیٹ 2۔ جامعہ ام ہانیؓ ناظم آباد نمبر 7 3۔ جامعہ حنفیہ اورنگی ٹاؤن کراچی 4۔ جامعہ عربیہ اسلامیہ کشمیر سوسائٹی سیکٹر 33 5۔ الحسن اصفہانی روڈ 6۔ جامعہ بنوریہ گلشن اقبال 7۔ مدرسہ دار القرآن گلشن اقبال کراچی 8۔ مدرسہ مسجد صدیق اکبر نارتھ کراچی 9۔ جامع مسجد و مدرسہ عمر انقلاب بلاک A گلشن اقبال نزد بیت المکرم

(7) بیرون ممالک جامعہ سے ملحق ادارے:

☆ معہد تحفیظ القرآن ساؤتھ افریقہ ☆ دار العلوم نیویارک امریکہ ☆ اسلامک سینٹر ملائیشیا

☆ دار العلوم الاسلامیہ ساؤتھ افریقہ ☆ مدرسہ اصحاب الصفہ استنبول ترکی ☆ اسلامی مرکز ٹیکساس امریکہ ☆ بینکاک اسلامی مرکز تھائی لینڈ

(8) اساتذہ کی تعداد: اساتذہ کرام 265، معلمات 50، شعبہ بیرون 40، معاونین 85، کل تعداد 440

(9) جامعہ کے ذرائع آمدن: جامعہ ہذا اس کے چندے مخیر حضرات کے تعاون کے علاوہ عطیات، زکوٰۃ، خیرات، صدقہ، چرم قربانی وغیرہ۔

(10) ماہانہ اخراجات -/18,000,000 : سالانہ اخراجات -/216,000,000 : اکیس کروڑ ساٹھ لاکھ روپے

(11) جامعہ کا ویژن: طلباء و طالبات کیلئے ایسا ماحول فراہم کرنا جس میں سیکھنے کے مواقع اور کوالٹی ایجوکیشن فراہم کرنے کے ساتھ مہذب اور شائستہ معاشرے کے ہر شعبہ ہائے زندگی میں قیادت کیلئے رجال کار فراہم کرنا۔

(12) اپیل: آپ سے گزارش ہے کہ اپنی ہر قسم کی تعاون کرنے کے بعد کے طلباء و طالبات کا حسب استطاعت زکوٰۃ، خیرات، صدقات، صدقۃ الفطر، چرم قربانی اور دیگر مدات میں تعاون فرما کر ثواب دارین حاصل کریں۔

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

زوالِ خلافت سے احیائے امت تک

امتِ مسلمہ کی تاریخ روشنی اور تاریکی، فتوحات اور آزمائشوں، عروج اور زوال کے مناظر سے بھری ہوئی ہے۔ ہر زوال کے بعد ایک نئی بیداری، ہر کمزوری کے بعد ایک نیا حوصلہ، اور ہر شکست کے بعد ایک تازہ عزم نے جنم لیا۔ مگر بیسویں صدی کے آغاز میں جو زوال آیا، وہ امتِ مسلمہ کے اجتماعی وجود پر ایسا گہرا زخم چھوڑ گیا جس کے اثرات آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔ خلافتِ عثمانیہ جو صدیوں تک امت کی وحدت، عدل، اور دینی اقتدار کی علامت رہی—

1924ء میں ختم کر دی گئی۔ اس کے ساتھ وہ نظام بھی بکھر گیا جو امت کو ایک مرکز سے جوڑتا تھا۔ اسلام کے نام پر ریاستیں تو باقی رہ گئیں، مگر اسلامی روح رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی۔

یہ زوال محض سیاسی نہیں تھا؛ بلکہ فکری، روحانی اور تہذیبی زوال بھی تھا۔ مسلمان علم و دانش میں پیچھے رہ گئے، امت کا اتحاد پارہ پارہ ہو گیا، اور مغربی تہذیب کی چمک دمک نے دلوں میں مرعوبیت پیدا کر دی۔

وہ امت جو کبھی قرآن کے نور سے دنیا کو منور کرتی تھی، خود غفلت کے اندھیروں میں گم ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾

(سورہ آلِ عمران، آیت 139)

"اور کمزور نہ پڑو، غمگیں نہ ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔"

یہ آیت زوال کے اندھیروں میں امید کی مشعل ہے۔ امت کا زوال دائمی نہیں ہوتا۔ جب ایمان زندہ ہو، عمل بیدار ہو، اور دلوں میں قرآن کی حرارت باقی ہو۔ تو زوال محض ایک عارضی کیفیت بن جاتا ہے۔ آج امتِ مسلمہ کے سامنے سب سے بڑا سوال یہی ہے:

کیا ہم دوبارہ اپنی اصل کی طرف لوٹنے کو تیار ہیں؟

کیا ہم پھر سے قرآن و سنت کو زندگی کا محور بنا سکتے ہیں؟

"زوالِ خلافت سے احیائے امت تک" دراصل انہی سوالات کا تحقیقی و اصلاحی جائزہ ہے۔ تاکہ ہم ماضی سے سبق سیکھ کر حال کو سنواریں اور مستقبل کو روشن کریں۔

یہ رسالہ محض تاریخ کا بیان نہیں، بلکہ ایک دعوتِ فکر ہے کہ امت اپنی عظمت کھو نہیں بیٹھی، بیداری کا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ بس شرط یہ ہے کہ ہم اپنی سمت درست کر لیں، ترجیحات کو قرآن و سنت کے مطابق بنا لیں، اور ایمان کے ساتھ عمل کی راہ اختیار کر لیں۔

جمادی الاولیٰ کے ایام ہمیں ماضی کی وہ ساعتیں یاد دلاتے ہیں جب امت نے زوال کی اندھی وادیوں میں قدم رکھا۔

خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ صرف ایک سیاسی سانحہ نہیں تھا بلکہ روحانی، فکری اور

تہذیبی پسپائی کا نقطہ آغاز بھی تھا۔ تاہم تاریخ گواہ ہے کہ امت کبھی مایوس نہیں ہوتی، کیونکہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾

(سورہ آلِ عمران، آیت 139)

"اور کمزور نہ پڑو، غمگیں نہ ہو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔"

یہی اس رسالے کا مرکزی پیغام ہے، زوال سے سبق لینا اور عروج کی راہیں تلاش کرنا۔

اس رسالے میں خلافتِ راشدہ سے لے کر خلافت عثمانیہ تک اسلامی اداورِ خلافت وحکومت کی خصوصیات بیان کی گئی ہیں اور ان وجوہات سے پردہ ہٹایا گیاہے جن کی وجہ سے خلافتِ عثمانیہ کا خاتمہ ہوا، نیز اس سوال کا جواب بھی تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ کیا دورِ حاضر میں خلافت قائم کی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں تو پھر مسلم ممالک کے لیے کون سا دورِ حکومت رول ماڈل ہے؟

امید ہے یہ رسالہ چشم کشا ثابت ہوگا اور خلافت وجمہوریت اور حکومتوں کے حوالے سے عوامی ذہنوں میں پائے جانے والے سوالات کا تشفی جواب بھی مل جائے گا۔

ڈاکٹر مولانا نعمان نعیم

رئیس و مہتمم جامعہ بنوریہ عالمیہ، سائٹ کراچی

خلافتِ راشدہ کا نظام۔ بنیادیں اور خصوصیات:

خلافتِ راشدہ کا دور (632-661 عیسوی) اسلامی تاریخ کا ایک ایسا سنہری باب ہے جہاں اسلامی تعلیمات کو عملی طور پر نافذ کیا گیا اور ایک ایسی فلاحی ریاست کی بنیاد رکھی گئی جو عدل، مساوات، اور شورائیت پر مبنی تھی۔ یہ دور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد سے شروع ہوا اور چار عظیم خلفا حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے ذریعے جاری رہا۔ اس نظام نے نہ صرف اسلامی ریاست کو وسعت دی بلکہ ایک ایسا انتظامی، عدالتی اور معاشی ڈھانچہ بھی فراہم کیا جو آج بھی رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

اسلامی تاریخ میں خلافتِ راشدہؓ کا دور ایک مثالی اور سنہری زمانہ سمجھا جاتا ہے۔ یہ وہ عہد تھا جب دینِ اسلام صرف کتابوں اور عبادت گاہوں تک محدود نہیں تھا، بلکہ عملاً معاشرت، سیاست، عدل، معیشت اور اخلاق۔ سب کے نظام میں نافذ تھا۔ اس نظام کی بنیاد نہ بادشاہت پر تھی نہ قومیت پر، بلکہ ایمان، عدل، اور شورائیت پر استوار تھی۔

قرآنِ کریم نے خلافت کو زمین پر اللہ کی نمائندگی کے مفہوم میں پیش کیا ہے:

﴿اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَةً﴾

(سورۃ البقرہ، آیت 30)

”(اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا

ہوں۔"

یہ نائب وہ ہوتا ہے جو اللہ کے احکام کو نافذ کرے، بندوں کے درمیان عدل قائم کرے، اور زمین پر دینِ حق کا بول بالا کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ایک ایسا معاشرہ قائم فرمایا جو ایمان، تقویٰ، اور اخلاق کی بنیاد پر استوار تھا، اور آپ ﷺ کے وصال کے بعد یہ عظیم ذمہ داری خلفائے راشدینؓ کے کندھوں پر آگئی۔ ذیل میں خلافتِ راشدہ کی امتیازی خوبیوں کو اختصار سے بیان کیا جاتا ہے:

ا خلافتِ راشدہ کا پہلا امتیاز شورائیت کا نظام تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد جب خلافت کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت اتفاقِ رائے سے طے پائی۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ اسلام میں قیادت نہ موروثی ہے، نہ طاقت کے زور پر قائم ہوتی ہے، بلکہ اہلِ رائے اور اہلِ ایمان کے مشورے سے وجود میں آتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾

(سورۃ الشوریٰ، آیت 38)

"اور ان کے معاملات باہمی مشورے سے طے پاتے ہیں۔"

حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے ادوار میں بھی شورائیت کا یہ تسلسل برقرار رہا۔ ہر خلیفہ امت کی مشاورت سے منتخب ہوا اور اپنی ذمہ داری کو

عبادت سمجھ کر ادا کرتا رہا۔

(تفصیلات کے لیے سلسلہ اصلاح امت کا رسالہ "خلیفہ اور اسلام" ملاحظہ فرمائیں۔)

۲ خلافتِ راشدہ کا دوسرا ستون عدل و احتساب تھا۔ خلفائے راشدینؓ نے کبھی خود کو قانون سے بالاتر نہیں سمجھا۔ خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے:

"اگر دریائے فرات کے کنارے ایک بکری بھی ناحق مر گئی، تو مجھے ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مجھ سے اس کے متعلق پوچھے گا۔"

(حلیۃ الأولیاء لأبی نعیم، الرقم 7350)

یہ جملہ اس حقیقت کی ترجمانی کرتا ہے کہ اسلام میں حکمران رعایا کے ہر فرد کے سامنے جواب دہ ہے۔ حضرت علیؓ کے دور میں خلیفہ کو ایک عام یہودی کے ساتھ عدالت میں پیش ہونا پڑا اور قاضی شریحؒ نے شریعت کے اصول کے مطابق فیصلہ یہودی کے حق میں دیا۔ یہ وہ عدل تھا جس کی مثال تاریخِ انسانیت میں نہیں ملتی۔

۳ خلافتِ راشدہ میں بیت المال کو امت کی امانت سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ صرف اپنی ضرورت کے مطابق لیتے اور نہایت سادہ زندگی گزارتے۔ ان کا مقصد دولت جمع کرنا نہیں، بلکہ فقراء، محتاجوں، بیواؤں اور مجاہدین کی کفالت تھا۔ یہ تسلسل بعد کے ادوار میں بھی، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد قدرے انقطاع کے باوجود، چلتا رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں تو

بیت المال میں اتنی فراوانی ہوئی کہ زکوۃ کے مستحقین ختم ہو گئے تھے۔لوگ زکوۃ کا مال لے کر نکلتے تھے مگر انھیں کوئی زکوۃ کا مستحق نہ ملتا تھا، عوام اس قدر خوش حال ہوگئے تھے۔

۴ خلافتِ راشدہ کی بنیاد مساوات اور اخوت پر تھی۔کسی عربی کو عجمی پر یا کسی قبیلے کو دوسرے پر کوئی فوقیت حاصل نہ تھی، جیساکہ نبی اکرم ﷺ نے حجۃالوداع کے موقع پر فرمایا تھا:

(لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَمِيٍّ، وَلَا لِعَجَمِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، إِلَّا بِالتَّقْوَى)

(مسند احمد)

"کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کے سبب۔"

یہی اصول خلافتِ راشدہ کے دور میں عملاً نافذ رہا۔صرف قریش کو یا صرف عربوں کو اعلیٰ عہدوں اور مناصب پر فائز نہیں کیا گیا، بلکہ حضرت بلال حبشیؓ، حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت صہیب رومیؓ جیسے غیر عرب صحابہ کرامؓ کو بھی اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا گیا۔

۵ خلفائے راشدینؓ کے نزدیک دین اور سیاست دو الگ حقیقتیں نہیں تھیں بلکہ ایک ہی نظام کے دو پہلو تھے۔نماز، زکوۃ، جہاد، تعلیم، عدل؛ سب کچھ اللہ کی حاکمیت کے تابع تھا۔اسی وجہ سے ان کے دور میں اسلامی سلطنت نہ صرف وسعت اختیار کرتی گئی بلکہ ایمان و روحانیت کی حرارت بھی برقرار رہی۔

۶ یہ خلفا خود کو بادشاہ نہیں، بلکہ امت کا خادم سمجھتے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کندھے پر کپڑے اٹھا کر بازار جاتے۔ حضرت عمرؓ راتوں کو گلیوں میں عوام کی خبر گیری کرتے۔ حضرت عثمانؓ اپنی سخاوت سے بیت المال بھرتے اور حضرت علیؓ محنت و مزدوری کو عبادت سمجھتے تھے۔ یہ وہ رہنما تھے جن کے زہد اور اخلاص نے قیادت کو عبادت کا درجہ دے دیا تھا۔

حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کی اصلاحات اور نظام:

حضرتِ امیر معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا شمار اُن جلیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے جنہوں نے اسلام کی خدمت میں اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ آپ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے کاتبِ وحی اور نہایت مدبّر، معاملہ فہم اور سیاسی بصیرت رکھنے والے حکمران تھے۔ آپؓ کے دور میں امت کو استحکام، نظم، اور انتظامی ترقی نصیب ہوئی۔ معروف اصطلاح میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ حکومت کو خلافتِ راشدہؓ میں شمار نہیں کیا جاتا، لیکن اس بات میں تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ اُن کا دور خلافت بھی مثالی دورِ خلافت تھا۔ وہ اگر خلافتِ راشدہؓ نہیں تو اُس کا تسلسل ضرور تھا۔ ذیل میں اس دور کی خصوصیات پر روشنی ڈالی جاتی ہے:

۱ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسلامی ریاست کو مضبوط بنیادوں پر استوار کیا۔ آپ نے انتظامی ڈھانچے کو منظّم کیا، صوبوں کو باقاعدہ نظم و ضبط کے تحت رکھا، اور والیوں کے لیے واضح ہدایات جاری کیں۔ ان کا قول مشہور

ہے: ''میں لوگوں پر نرمی اور سیاست دونوں کے ساتھ حکومت کرتا ہوں۔''

(البدایہ والنہایہ، جلد 8، صفحہ 129)

۲ آپ رضی اللہ عنہ عدل کے پابند تھے۔ مقدمات کے فیصلے قرآن و سنت کے مطابق ہوتے، اور قاضیوں کو مکمل آزادی حاصل تھی۔ خود فرمایا کرتے: ''عدل حکومت کا ستون ہے، جب وہ گرتا ہے تو حکومت بھی گر جاتی ہے۔''

۳ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے سلطنت کے مختلف حصوں میں باقاعدہ ڈاک اور پیغام رسانی (Postal System) کا نظام قائم کیا، جو اسلامی تاریخ کا پہلا منظّم نظامِ مراسلت تھا۔

۴ اسی طرح بیت المال کے نظم میں شفافیت اور اہلیت کی بنیاد پر افسر مقرر کیے۔ مالِ عامہ کی حفاظت کو اولین ترجیح دی۔

۵ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾

(سورۃ الأنفال، آیت 60)

''ان (کفار) کے مقابلے کے لیے اپنی طاقت کے مطابق قوت تیار رکھو۔''

حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت پر عمل کرتے ہوئے پہلا اسلامی

بحری بیڑا قائم کیا، جو بعد میں روم و یونان کے خلاف فتوحات کا ذریعہ بنا۔خلافتِ عثمانیہ کی وسعت اور سرحدوں کی حفاظت میں آپ کا بحری نظام سنگِ میل ثابت ہوا۔ موجودہ نیوی کا نظام سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے ماڈل پر کام کرتا ہے۔

۶ آپؓ نے حکومتی نظم میں سختی اور نرمی دونوں کو متوازن رکھا۔ رعایا سے حسنِ سلوک، اہلکاروں سے جوابدہی، اور امن و امان کی بحالی کو ترجیح دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے: ”میں اپنے دروازے سب کے لیے کھلے رکھتا ہوں تاکہ مظلوم کو انصاف مل سکے۔“

۷ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور میں علم و ادب، تعلیم و ثقافت اور اسلامی تعمیرات کو فروغ حاصل ہوا۔ دمشق کو مرکزِ خلافت بنایا گیا، جہاں مساجد، مدارس، اور دفتری نظام منظّم انداز میں قائم کیے گئے۔یہ دور اسلامی تہذیب کے ابتدائی سنہری ادوار میں سے ایک قرار دیا جاتا ہے۔

۸ رومی سلطنت اور دیگر ہمسایہ ممالک کے ساتھ سفارتی تعلقات میں حکمت، نرمی اور تدبر کا مظاہرہ کیا۔آپ کی پالیسی کا بنیادی اصول یہ تھا کہ: ”جنگ سے پہلے صلح کا ہر راستہ آزمانا چاہیے، کیونکہ امت کا خون سب سے قیمتی ہے۔“

خلاصہ یہ کہ :خلافتِ راشدہؓ کا نظام ہمیں یہ سبق دیتا ہے کہ اسلامی قیادت اسی وقت عدل و امن کی ضامن بن سکتی ہے جب وہ قرآن و سنت کی بنیاد پر قائم ہو۔جب حکمران خود کو اللہ کا بندہ اور امت کا خادم سمجھنے لگے تو زمین پر

عدل قائم ہوتا ہے۔اسی عدل، شورائیت، ایمان اور اخوت کے احیاء میں امت کی نجات مضمر ہے اور یہی وہ راستہ ہے جو زوال سے احیائے امت تک لے جاتا ہے۔ جبکہ حضرتِ معاویہ رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت اسلامی تاریخ کا وہ باب ہے، جس میں سیاسی استحکام، انتظامی نظم، عدل وانصاف، عسکری ترقی، اور علمی بیداری کا امتزاج پایا جاتا ہے۔آپ نے ایک ایسی مضبوط بنیاد رکھی جس نے بعد کے ادوار کو منظّم طرزِ حکومت عطا کیا۔

خلافت بنوامیہ وبنوعباس کی نمایاں اصلاحات:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے بعد ہمیں اسلامی نظام حکومت کی بہاریں نظر توآتی ہیں، لیکن رفتہ رفتہ مسلم خلافتیں زوال واقتدار کی طرف گامزن ہوئیں۔بنو امیہ نے اسلامی سلطنت کی سیاسی و عسکری بنیادیں مضبوط کیں، جبکہ بنو عباس نے علمی و تہذیبی بنیادوں کو جِلا بخشی۔دونوں ادوار نے اسلام کے اجتماعی نظام کو وسعت، تنظیم، اور فکری استحکام عطا کیا۔ذیل میں بنوامیہ اور بنوعباس کے ادوار کی نمایاں اصلاحات کا مختصر تذکرہ کیاجاتاہے:

بنو امیہ کا دور (41ھ تا 132ھ) خلافتِ راشدہ کے بعد اسلامی حکومت کے استحکام اور توسیع کا زمانہ تھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف داخلی استحکام قائم کیا بلکہ حکومتی نظم و نسق کو منظّم شکل دی، جیساکہ ابھی آپ پڑھ چکے ہیں۔اس کے علاوہ اس دور کی نمایاں اصلاحات درج ذیل ہیں:

۱ اسلامی خلافت کو باقاعدہ صوبوں میں تقسیم کیا گیا، ہر صوبے میں گورنر، قاضی اور مالی افسر مقرر کیے گئے۔

(ابن خلدون، المقدمہ)

۲ بیت المال اور مالی نظم، حصولات، جزیہ اور خراج کے نظام کو بہتر بنایا گیا۔ بیت المال کو مضبوط ادارہ بنایا گیا جو ریاستی اخراجات اور عوامی بہبود پر صرف ہوتا تھا۔

(ابن کثیر، البدایہ والنہایہ)

۳ مستقل فوجی کیمپ قائم کیے گئے، بحری بیڑا (Navy) منظّم کیا گیا، اور اسلامی فتوحات افریقہ، اندلس اور وسط ایشیا تک پھیل گئیں۔

(البلاذری، فتوح البلدان)

۴ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ڈاک اور اطلاعات کا منظّم نظام قائم کیا، جس سے مرکز کو ہر صوبے کی خبریں وقت پر پہنچنے لگیں۔

۵ شہری و تعمیری ترقی ہوئی۔ دمشق کو دارالحکومت بنایا گیا، سڑکیں، پل، قلعے اور مساجد تعمیر ہوئیں۔ اموی مسجد (دمشق) فنِ تعمیر کا شاہکار ہے۔

۶ قاضیوں کو انتظامیہ سے علیحدہ کیا گیا تاکہ عدل غیر جانبدارانہ طور پر قائم رہے۔

بنوامیہ کے بعد بنوعباس کی حکومت ہے۔ بنو عباس کی حکومت (132ھ تا 656ھ) نے علمی، فکری اور تہذیبی اعتبار سے عروج حاصل کیا۔

۱ بغداد علم و تمدن کا مرکز بن گیا۔

۲ بیت الحکمہ (House of Wisdom) قائم کیا گیا، جہاں فلسفہ، طب، ریاضی، فلکیات اور دیگر علوم کا ترجمہ و تدریس ہوتی تھی۔

(جلال الدین سیوطی، تاریخ الخلفاء)

۳ نظامِ عدل و قانون: فقہ اسلامی کی تدوین و ترویج کو سرکاری سرپرستی ملی۔ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ جیسے فقہا کا علمی دور اسی زمانے میں پھلا پھولا۔

۴ بنو عباس نے سڑکوں، نہروں اور تجارتی راستوں کو محفوظ بنایا۔ بغداد، بصرہ اور کوفہ عالمی تجارتی مراکز بن گئے۔

۵ وزارت، دیوان، اور محکموں کی بنیاد مضبوط کی گئی۔ مختلف عہدوں پر ماہر اہلکار مقرر کیے گئے۔ تمدنی و ثقافتی خدمات: فنِ تعمیر، طباعت، خوشنویسی، اور اسلامی فنون میں بے پناہ ترقی ہوئی۔

۶ چین، ہندوستان، اور یورپ تک سفارتی تعلقات قائم کیے گئے، جس سے اسلامی تہذیب کا پیغام دنیا بھر میں پھیلا۔

مسلم امہ کی مرکزیت کی تقسیم :

بنو عباس کے بعد مسلم امہ کی مرکزیت تقسیم در تقسیم ہوتی رہی اور مختلف خطوں میں مختلف حکومتیں قائم ہوئیں۔ یہاں تک کہ ایک طویل انتظار کے بعد خلافتِ عثمانیہ کی شکل میں مسلم امہ ایک بار پھر ایک مرکز پر مجتمع ہوئی۔

خلافتِ عثمانیہ کا قیام:

ابتدائی پس منظر عباسی خلافت کے زوال کے بعد اسلامی دنیا سیاسی انتشار، فرقہ واریت، اور علاقائی حکومتوں میں تقسیم کا شکار ہو چکی تھی۔ بغداد پر 1258ء میں ہلاکو خان (منگولوں) کے حملے کے نتیجے میں عباسی خلافت کا خاتمہ ہوا اور اسلامی وحدت کا شیرازہ بکھر گیا۔ اناطولیہ (موجودہ ترکی) کے مختلف علاقوں میں جو ترک قبائل آباد تھے جنہوں نے منگول یلغار سے بچ کر چھوٹی چھوٹی امارتیں قائم کر لی تھیں۔ انہی میں سے ایک قبیلہ قائی قبیلہ تھا، جس کے سردار عثمان غازی بن ارطغرل غازی (1258ء تا1326ء) نے اپنی دینی غیرت، جنگی مہارت اور عدل و انصاف کے ذریعے 1299ء میں سلطنتِ عثمانیہ کی بنیاد رکھی۔ ابتدا میں یہ سلطنت سلجوقیوں کے زیر اثر ایک چھوٹی سی امارت تھی، مگر سلجوقی اقتدار کے زوال کے بعد عثمان غازی نے خود مختار حکومت کا اعلان کیا۔ اس کا دارالخلافہ ابتدا میں سوگوت (Söğüt) اور بعد ازاں برصہ (Bursa) قرار پایا۔ عثمان غازی نے اپنی سلطنت کو عدل، مساوات، شریعتِ اسلامی کے نفاذ اور جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد پر استوار کیا۔ اس کی شخصیت میں زہد، تقویٰ، اور دینی حمیت نمایاں تھی۔ وہ علما و صوفیا کی سرپرستی کرتے تھے، جنہوں نے ریاست کے فکری اور روحانی نظام کو مضبوط بنایا۔

عثمان غازی کے بعد ان کے فرزند اَورخان غازی (1326تا1362ء)

نے سلطنت کو مزید منظّم کرتے ہوئے پہلا باقاعدہ نظمِ حکومت، فوجی نظام اور عدالتی ڈھانچا قائم کیا۔ انہوں نے پہلی اسلامی فوج (Janissaries) کی بنیاد رکھی، جو عثمانیوں کی عسکری طاقت کا ستون بن گئی۔اسی دور میں سلطنت کی سرحدیں بلقان، یونان، اور مشرقی یورپ تک پھیل گئیں۔

اَورخان غازی کے بعد آنے والے خلفائے کرام ، خصوصاً سلطان مراد اول، سلطان بایزید اول، سلطان محمد فاتح نے نہ صرف فتوحات جاری رکھیں، بلکہ اسلامی علوم و فنون کے مراکز کو بھی فروغ دیا۔ 1453ء میں سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ (موجودہ استنبول) فتح کیا۔ یہ واقعہ اسلامی تاریخ میں ایک عظیم سنگ میل تھا، کیونکہ یہ وہ شہر تھا جس کی فتح کی بشارت رسولِ اکرم ﷺ نے دی تھی:

(لَتُفْتَحَنَّ الْقُسْطَنْطِينِيَّةُ، فَلَنِعْمَ الْأَمِيرُ أَمِيرُهَا، وَلَنِعْمَ الْجَيْشُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ)

(مسند احمد، حدیث 18189)

”یقیناً قسطنطنیہ فتح کیا جائے گا، بہترین امیر وہ ہوگا جو اسے فتح کرے گا، اور بہترین لشکر وہ ہوگا جو اس لشکر میں شامل ہوگا۔“

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے کتب احادیث میں لکھا ہے: یہ حدیث رسولِ اکرم ﷺ کی پیشین گوئیوں اور معجزات میں سے ایک ہے، کیونکہ قسطنطنیہ بالآخر فتح ہوگیا، اور اسے فتح کرنے والے سلطان محمد فاتح تھے، جو

سلطنتِ عثمانیہ کے جلیل القدر خلیفہ تھے۔ قسطنطنیہ کی فتح کی خبر جب پوری اسلامی دنیا میں پہنچی تو مسلمانوں میں بے پناہ خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ مؤرخ ابنِ ایاس کے مطابق مصر میں اس وقت جو خوشی اور جشن منایا گیا، وہ غیر معمولی تھا۔ یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ یہ فتح مسلمانوں کے لیے ایک مبارک اور مسرت انگیز واقعہ تھا۔ قسطنطنیہ کی فتح نبی ﷺ کے وصال کے تقریباً آٹھ سو سال بعد عمل میں آئی اور عظیم سلطان، مجاہدِ اسلام محمد فاتح رحمہ اللہ اس کے فاتح بنے۔ جب فتح میں تاخیر ہوئی تو انہوں نے اپنے وزیر کو ایک نیک ولی اللہ کے خیمے میں بھیجا، جو ان کے ساتھ برکت کے لیے آئے تھے۔ وزیر وہاں پہنچا تو دیکھا کہ وہ شیخ سجدے میں گڑگڑا کر اللہ سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کر رہے ہیں، جیسے ہی شیخ نے سجدے سے سر اٹھایا، لشکرِ اسلام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا، اور قسطنطنیہ فتح ہو گیا۔

(یہ حدیث امام احمد نے اپنی مسند میں، امام بخاری نے التاریخ الکبیر اور الاوسط میں، امام بغوی، ابن قانع، طبرانی، ابن مندہ، ابو نعیم اور حاکم نے بھی روایت کی ہے۔)

فتح قسطنطنیہ کے بعد عثمانی سلطنت دنیا کی سب سے طاقت ور اسلامی سلطنت بن گئی، استنبول دارالخلافہ قرار پایا اور وہاں مساجد، مدارس، کتب خانے اور شرعی عدالتیں قائم کر دی گئیں۔ خلافتِ عثمانیہ کا نظام خلافتِ راشدہؓ اور خلافتِ عباسیہ کے اصولوں پر مبنی تھا۔ شرعی قوانین (فقہِ حنفی) کی بنیاد پر عدالتی

نظام قائم تھا۔ مفتیِ اعظم (شیخ الاسلام) کا ادارہ دینی و فقہی راہ نمائی فراہم کرتا تھا۔ تعلیم کے لیے مدارسِ عثمانیہ میں دینی و عصری علوم کا امتزاج تھا۔ وقف کا نظام وسیع پیمانے پر موجود تھا، جس کے تحت مساجد، مدارس، اسپتال اور لنگر خانے قائم کیے گئے۔ خلافت کا مقصد صرف سیاسی اقتدار نہیں بلکہ دینِ اسلام کی سربلندی تھا۔ یہ خلافت صدیوں تک عالمِ اسلام کی سیاسی و مذہبی قیادت کا مرکز رہی۔ اس دور میں مسلمانوں کی اجتماعی شناخت اور خلافت کا تسلسل برقرار رہا، یورپ کی استعماری یلغار کے مقابلے میں اسلام کا سیاسی و عسکری وجود قائم رہا۔ بیت المقدس، مکہ مکرمہ، اور مدینہ منورہ کی خدمت اور حفاظت عثمانی سلاطین کا اعزاز تھی۔ اب بھی حرمین شریفین میں ان کی تعمیرات کے نقوش اس سنہرے دور کی یاد تازہ کرتے ہیں۔

جب خلافت کا چراغ بجھا:

خلافتِ عثمانیہ تاریخِ اسلام کی طویل ترین، منظّم ترین اور عظیم ترین خلافتوں میں سے تھی۔ اس نے چھ صدیوں تک نہ صرف عالمِ اسلام بلکہ دنیا کی سیاست، تہذیب اور معیشت میں مرکزی کردار ادا کیا۔ یہ خلافت محض ایک سیاسی ادارہ نہیں، بلکہ امتِ مسلمہ کی وحدت اور دینی قیادت کی علامت تھی۔ 1299ء میں عثمان بن ارطغرل کے ہاتھوں قائم ہونے والی یہ خلافت بالآخر 1924ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک کے ہاتھوں ختم ہوئی۔ اس کا زوال محض ایک حکومت کے خاتمے کا نہیں، بلکہ امت کی فکری، روحانی اور اجتماعی کمزوری کا مظہر

تھا۔جب خلافت کا چراغ بجھا تو گویا امت کے سینے سے وحدت و قیادت کا دل نکال لیا گیا، اور اس کے اثرات آج تک محسوس کیے جا رہے ہیں۔یہ زوالِ خلافت اچانک نہیں ہوا، بلکہ یہ ایک تدریجی اور اندرونی عمل تھا۔سلطان سلیمان القانونی کے بعد خلافت میں وہ روح، سادگی اور دینی حرارت باقی نہ رہی ،جو ابتدائی ادوار میں تھی۔درباری سازشوں، کمزور قیادت اور مغربی اثرات نے آہستہ آہستہ سلطنت کے نظم کو کھوکھلا کر دیا۔جن حالات میں

خلافت شوال پذیر ہوئی ،اس وقت امت کے حالات بھی کوئی قابلِ ذکر نہیں تھے ،امت بھی من حیث الامہ زوال کا شکار تھی۔شعورِ خلافت کے آخری ادوار میں عوام کے اندر دینی و اجتماعی شعور کمزور پڑ گیا تھا۔دین کو محض ذاتی عبادات تک محدود سمجھ لیا گیا تھا اور اجتماعی نظام سے تعلق ٹوٹ گیا تھا۔یہی بے حسی اور فکری کمزوری خلافت کے خاتمے کا سب سے بڑا سبب بنی۔اگرچہ بیرونی طور پر سلطنت کی وسعت برقرار رہی، تاہم باطن میں زوال کی بنیادیں پڑ چکی تھیں۔غور کرنے سے اس عظیم سلطنت کے زوال کے جو بنیادی اسباب سامنے آتے ہیں ،وہ ذیل میں درج کیے جاتے ہیں:

ا ابتدائی سلاطین زہد، عدل اور جہاد کے پیکر تھے۔وقت گزرنے کے ساتھ دنیا پرستی، عیش و عشرت، اور اقتدار کی ہوس نے روحِ خلافت کو مجروح کر دیا۔جب خلافت کا مقصد دین کے نفاذ کے بجائے اقتدار کی بقا بن گیا، تو نصرتِ الٰہی اٹھتی چلی گئی۔

۲ یورپ میں سائنس، فلسفہ اور فکرِ جدید پروان چڑھ رہی تھی، جبکہ مسلمانوں کے علمی مراکز مناظرانہ اختلافات میں الجھ گئے۔ اجتہاد و تحقیق کی روح ماند پڑ گئی، اور فقہی جمود نے ترقی کے دروازے بند کر دیے۔ علم و عمل کی یہ کمزوری فکری قیادت کو مغرب کے ہاتھ میں منتقل کرنے کا سبب بنی۔۔

۳ یورپ نے سودی نظام، نوآبادیاتی تجارت اور مالیاتی کنٹرول کے ذریعے سلطنتِ عثمانیہ کی معیشت کو کمزور کیا۔ برطانیہ اور فرانس نے سلطنت کو قرضوں کے جال میں جکڑ لیا، یہاں تک کہ 1881ء میں عثمانی محکمۂ مالیات مغربی طاقتوں کے زیرِ انتظام آگیا۔ یہ معاشی غلامی خلافت کے سیاسی طور پر کمزور ہونے کی بڑی وجہ تھی۔

۴ اسلامی خلافت ''وحدتِ امت'' کے تصور پر قائم تھی، مگر 19ویں صدی میں یورپی قوم پرستی (Nationalism) کا زہر مشرق میں سرایت کر گیا۔ عرب، ترک، کرد، بوسنیائی اور مصری قومیتوں کے فتنوں نے خلافت کی وحدت پارہ پارہ کر دی۔ برطانیہ نے اس اختلاف کو ہوا دے کر 1916ء میں ''عرب بغاوت'' کو پروان چڑھایا۔

۵ یورپی طاقتوں نے خلافت کے اندرونی کمزور طبقوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کیا۔ 1916ء کے ''معاہدۂ سائیکس پیکو'' کے تحت برطانیہ اور فرانس نے مسلم دنیا کی تقسیم کا منصوبہ بنایا، یہی وہ منصوبہ تھا جس نے

مسلم دنیا کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس معاہدے کی کچھ وضاحت درج کی جائے تاکہ بات سمجھنے میں آسانی ہو۔

16 مئی 1916ء کو حکومت برطانیہ اور فرانس کے درمیان طے پانے والا ایک خفیہ معاہدہ ''سائیکوس-پیکوٹ معاہدہ'' کہلاتا ہے۔ جس میں دونوں ممالک نے جنگ عظیم اول کے بعد اور سلطنت عثمانیہ کے ممکنہ خاتمے کے پیش نظر، مشرق وسطیٰ میں اپنے حلقۂ اثر کا تعین کیا۔ اس معاہدے کے تحت طے پانی والی سرحدیں تقریباً وہی ہیں، جو آج شام اور اُردن کی مشترکہ سرحد ہے۔ معاہدے پر مذاکرات نومبر 1915ء کو فرانسیسی سفیر فرانکوئس جورجز پیکوٹ اور برطانیہ کے مارک سائیکس کے درمیان ہوئے۔ اس معاہدے کے تحت ردن، عراق اور حیفہ کے گرد مختصر علاقہ برطانیہ کو دیا گیا، جبکہ فرانس کو جنوب مشرقی ترکی، شمالی عراق، شام اور لبنان کے علاقے دیے گئے۔ ساتھ ہی دونوں قوتوں کو اپنے علاقوں میں ریاستی سرحدوں کے تعین کی کھلی چھوٹ دی گئی۔ بعد ازاں اس معاہدے میں اٹلی اور روس کو بھی شامل کر لیا گیا۔ روس کو آرمینیا اور کردستان کے علاقے دیے گئے، جبکہ اٹلی کو جزائر ایجیئن اور جنوب مغربی اناطولیہ میں ازمیر کے ارد گرد کے علاقوں سے نوازا گیا۔ اناطولیہ میں اطالوی موجودگی اور عرب سرزمین کی تقسیم کا معاملہ بعد ازاں 1920ء میں ''معاہدہ سیورے'' میں طے ہوا۔

۶ اسی دوران شریفِ مکّہ حسین بن علی نے انگریزوں کی مدد سے خلافت کے

خلاف بغاوت کی۔ بالآخر مصطفیٰ کمال اتاترک نے 1924ء میں خلافت کو ختم کر کے سیکولر جمہوریہ ترکی قائم کی۔

۷ خلافتِ عثمانیہ کے زوال میں استعماری طاقتوں کا کردار فیصلہ کن تھا۔ برطانیہ اور فرانس نے ''عرب قومیت'' کو ابھار کر خلافت کے خلاف بغاوت کی راہ ہموار کی۔ ''لارنس آف عریبیہ'' جیسے ایجنٹوں نے عرب قبائل کو ترکوں کے مقابلے پر کھڑا کیا۔ شریفِ مکہ حسین بن علی کو خلافت کے مقابل ''عرب بادشاہ'' بننے کا لالچ دیا گیا۔

۸ 1920ء میں ''معاہدۂ سیورز'' (Treaty of Sèvres) کے ذریعے سلطنتِ عثمانیہ کے بقیہ حصے بھی تقسیم کیے گئے۔

۹ 1924ء میں مصطفیٰ کمال اتاترک نے خلافت کا باضابطہ خاتمہ کر دیا۔ اسلامی قوانین منسوخ کر کے سیکولر نظام نافذ کیا گیا۔ عرب دنیا میں مصنوعی سرحدیں کھینچ کر نئی ریاستیں عراق، شام، لبنان، اردن، فلسطین، سعودی عرب وغیرہ قائم کی گئیں۔ یہ سب استعماری طاقتوں کی سیاسی انجینئرنگ تھی تاکہ امت ہمیشہ آپس میں تقسیم اور ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہے۔

زوالِ خلافت کے اثرات:

۱ امتِ مسلمہ اپنی سیاسی و مذہبی قیادت سے محروم ہو گئی۔

۲ اسلامی قوانین کی جگہ مغربی قوانین نافذ کر دیے گئے۔

۳ عرب دنیا میں استعماری تسلط اور صہیونی ریاست نے قدم جمائے۔

۴ نوجوان نسل میں قوم پرستی، الحاد اور فکری غلامی نے جنم لیا۔

۵ امت کا رشتہ خلافت کے تصور سے منقطع ہو گیا، اور عالمِ اسلام ٹکڑوں میں تقسیم ہو گیا۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ صدیوں کی منصوبہ بندی کے بعد استعمار نے ایسا جال بُنا کہ مسلم دنیا سیاسی، جغرافیائی اور فکری طور پر تقسیم در تقسیم ہوتی چلی گئی۔اس سلسلے میں پہلا قدم تو انہوں نے یہ اُٹھایا کہ مسلمانوں کے ذہنوں سے خلافت، وحدتِ امت اور شریعت کی مرکزیت کے تصورات مٹانے کے لیے فکری میدان میں بھرپور جنگ چھیڑ دی۔اس کے لیے مستشرقین کی پوری ایک جماعت تیار کی گئی جس نے اسلامی تاریخ اور سیرت کو مسخ کیا۔ تعلیم ہی کسی قوم وملت کے مستقبل کی صورت گری کرتی ہے،اس لیے تعلیمی محاذ پر کام کیا گیا اور مغربی تعلیم وتہذیب کو "ترقی" کے نام پر مسلم معاشروں میں رائج کیا گیا۔"قومیت" (Nationalism) اور "وطنی ریاست" (Nation-State) کے تصورات کو پھیلایا گیا تاکہ مسلمان ایک امت کے بجائے بکھری قوموں میں تقسیم ہو جائیں۔

۶ انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ نے "اقتصادی مفادات" کے نام پر مسلم ممالک پر قبضے شروع کیے۔برطانیہ نے ہندوستان، مصر، سوڈان، فلسطین اور خلیج کے بیشتر علاقوں پر تسلط قائم کیا۔فرانس نے الجزائر، تیونس، مراکش اور شام پر قبضہ کر لیا۔اٹلی نے لیبیا پر حملہ کیا، جبکہ ہالینڈ

نے مشرقی انڈیز (انڈونیشیا) پر اپنا تسلط جما لیا۔ان تمام مہمات کا مقصد صرف زمین پر قبضہ نہیں، بلکہ اسلامی مرکزیت کے خاتمے کا منصوبہ تھا۔

۷ امتِ مسلمہ ایک جسم سے بکھر کر چالیس سے زائد کمزور ریاستوں میں تقسیم ہوگئی۔ہر ملک اپنی قومی شناخت اور مفادات میں گم ہو کر اسلامی وحدت سے دور ہوگیا۔

۸ مغربی قانون، تہذیب، اور سیاسی ڈھانچے نے اسلامی نظام کو پسِ پشت ڈال دیا۔

۹ امت کے وسائل پر مغربی قوتوں کا قبضہ برقرار رہااور آج تک مسلم دنیا سیاسی، فکری اور ثقافتی غلامی سے پوری طرح آزاد نہیں ہو سکی۔

نئے شکاری پُرانا جال:

آج استعمار کی شکلیں بدل چکی ہیں، مگر مقاصد وہی ہیں۔سیاسی دباؤ، معاشی استحصال، ثقافتی یلغار، اور میڈیا کے ذریعے ذہنی غلامی، مسلم ممالک کے درمیان تنازعات پیدا کرنا، فرقہ واریت اور لسانیت کو ہوا دینا، نوجوان نسل میں دین سے بے زاری اور مغربی نظریات کی نقالی۔ یہ سب اسی تسلسل کے آثار ہیں۔امت کے لیے بیداری کا پیغام:

امتِ مسلمہ آج تاریخ کے ایک نہایت نازک موڑ پر کھڑی ہے۔ خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد جو سیاسی، فکری اور تہذیبی خلا پیدا ہوا تھا، وہ آج تک پُر نہ ہوسکا۔دنیا بھر کے مسلمان منتشر، سیاسی طور پر کمزور، اور فکری طور پر

مغرب کے زیرِ اثر نظر آتے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جس میں اسلام کو دہشت گردی سے جوڑا جا رہا ہے، دینی اقدار پر حملے ہو رہے ہیں اور نوجوان نسل فکری الجھنوں میں مبتلا ہے۔ ایسے حالات میں ضروری ہے کہ ہم اپنے حقیقی چیلنجز کو پہچانیں اور احیائے امت کی راہیں تلاش کریں۔

اگر ہم اس زوال در زوال اور اِدبار در اِدبار سے نکلنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے ہمیں من حیث الامہ اس زوال واِدبار کے اسباب پر غور کرنا ہوگا، تاکہ ہم ان اسباب پر قابو پانے کے لیے اپنی اپنی سطح پر کردار ادا کریں۔ یاد رکھیے کہ زوال کی اصل وجہ دشمن کی طاقت نہیں، بلکہ اپنی غفلت، تفرقہ، اور ایمان کی کمزوری ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

﴿وَ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَ لَا تَنَازَعُوۡا فَتَفۡشَلُوۡا وَ تَذۡہَبَ رِیۡحُکُمۡ وَ اصۡبِرُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ﴾

(سورۃ الانفال، آیت 46)

"اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔"

مفسرین کرام نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ تمام معاملات میں خصوصاً جہاد اور دشمن سے مقابلے کے وقت ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں اور باہمی اختلافات

سے بچیں۔

(تفسیر خازن، تفسیر کبیر)

مسلمانوں کو باہمی اختلاف سے بچنا چاہیے اور اتفاق و اتحاد کا راستہ اختیار کرنا چاہیے۔ کفار کے ممالک تو آپس میں متحد ہیں لیکن افسوس کہ مسلمانوں میں باہمی اتحاد نظر نہیں آتا بلکہ ان کا حال یہ ہو چکا ہے کہ اگر کفار کسی مسلمان ملک پر ظلم و ستم کریں تو دوسرے ملک کے مسلمان اپنے مسلم بھائیوں کا ساتھ دینے اور ان کافروں کے خلاف برسرپیکار ہونے کی بجائے وہ بھی کافروں کا ساتھ دیتے ہیں۔ جیسا کہ حالیہ اسرائیل فلسطین تنازع میں صاف نظر آرہا ہے۔

زوالِ امت کے اسباب اور ان کا علاج:

امت کی بیداری اسی وقت ممکن ہے جب ہم قرآن و سنت کی مرکزیت کو بحال کریں، دینی شعور کو زندہ کریں، امت کے اتحاد و اخوت کو سیاسی و عملی بنیادوں پر استوار کریں۔

یاد رکھیں! استعماری طاقتوں نے امت کو جغرافیائی طور پر تو تقسیم کر دیا، مگر روحانی و فکری وحدت اب بھی زندہ ہے اگر ہم اسے پہچان لیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم تاریخ سے سبق لیں، اپنی صفوں میں اتحاد و اخلاص پیدا کریں، اور وہی ایمان و کردار اپنائیں جس نے کبھی امت کو عروج و قیادت عطا کی تھی۔ یہ محض ایک تاریخی المیہ نہیں، بلکہ ایک آئینہ ہے، جس میں امت اپنی غفلت دیکھ سکتی ہے۔ یہ زوال ایمان کی کمزوری، قیادت کی بدعنوانی

اور باہمی نفاق کا نتیجہ تھا۔ اگر امتِ مسلمہ دوبارہ عروج چاہتی ہے تو اسے اسی راستے پر لوٹنا ہوگا جو خلافتِ راشدہؓ اور سلاطینِ صالحین کا راستہ تھا، یعنی ایمان، علم، عدل، اتحاد اور تقویٰ کا راستہ۔

آیئے! زوالِ امت کے اسباب اور اس کے علاج پر غور کرتے ہیں:

۱ زوالِ امت کا بنیادی سبب فکری مغلوبیت ہے۔ مغرب نے تعلیم، فلسفے، میڈیا اور ٹیکنالوجی کے ذریعے ایک ذہنی غلامی مسلط کر دی ہے، جس نے مسلمانوں سے خوداعتمادی چھین لی۔ سیکولرزم، لبرلزم اور الحاد کے نظریات نے ایمان و عمل کی بنیادوں کو متزلزل کر دیا ہے۔ اب دین کو صرف عبادات تک محدود سمجھنے اور اجتماعی زندگی سے جدا کرنے کا رجحان عام ہے۔ لہٰذا فکری بیداری کا پہلا قدم یہ ہے کہ مسلمان دوبارہ قرآن و سنت کی روشنی میں اپنی علمی و تہذیبی شناخت کو مضبوط کریں۔

۲ زوالِ امت کی ایک بڑی وجہ روحانیت سے دوری اور اخلاقی انحطاط ہے۔ عبادت رسم بن گئی ہے، اخلاص کم ہو گیا ہے اور دنیاوی مفادات نے دینی جذبوں کو دبا دیا ہے۔ حالانکہ ایمان و عمل کی تازگی تزکیۂ نفس اور یادِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے ہمیں روحانیت کی جانب آنا ہوگا اور اپنیہ اخلاقی حالت کو درست کرنے پر توجہ دینی ہوگی۔

۳ زوالِ امت کی ایک وجہ لیڈرشپ کا فقدان بھی ہے۔ آج امت مسلمہ کے پچاس سے زائد ممالک ہیں، مگر کوئی ایک مرکزی قیادت نہیں، جو سب کو

متحد کر سکے۔ اسلامی قیادت جب علم، عدل اور تقویٰ پر مبنی ہو گی، تب ہی امت دوبارہ عروج پائے گی۔ اس وقت صورتِ حال یہ ہے کہ قومیت، علاقائیت اور مفادات نے ملت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے۔ مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے، مگر امت کی صفوں سے کوئی توانا آواز نہیں اٹھتی، بلکہ ہم اسی عطار کی دُکان پر دوا لینے کے لیے جاتے اور اسی کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہوتے ہیں جو ہماری سوختہ سامانی کا اصل سبب و محرک ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب
اسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

۴ امتِ مسلمہ کا معاشی ڈھانچا اب بھی سود، قرض اور استعماری نظام پر قائم ہے۔ عالمی مالیاتی ادارے اسلامی ممالک کی معیشت پر قابض ہیں، حالانکہ وسائل کی کوئی کمی نہیں۔ اسلام نے معیشت کو عدل، زکوٰۃ اور صدقات پر قائم کیا ہے۔ اسلامی معیشت کے اصولوں کی طرف واپسی ہی حقیقی آزادی کا راستہ ہے۔

۵ جدید دنیا علم و ٹیکنالوجی میں آگے نکل چکی ہے، جبکہ بیشتر اسلامی ممالک ابھی تک بنیادی تعلیمی اصلاح سے محروم ہیں۔ مدارس اور عصری جامعات کے درمیان عدمِ ربط نے امت کو دو انتہاؤں میں تقسیم کر دیا ہے۔ لہٰذا دینی و عصری علوم کے امتزاج سے ایک متوازن تعلیمی نظام ہی امت کی فکری و عملی اصلاح کر سکتا ہے۔

۶ مغربی میڈیا، فحاشی، مادیت پرستی اور خاندانی نظام کی تباہی نے مسلم معاشروں کو انتہائی متاثر کیا ہے، نکاح کی جگہ ناجائز تعلقات کو فروغ دیا جا رہا ہے، والدین و اساتذہ کی توقیر گھٹ رہی ہے اور امانت و حیا جیسی صفات ناپید ہو رہی ہیں۔اخلاقی احیا، شرم و حیا، پردہ و حجاب اور اخلاقی اقدار کے فروغ کے بغیر امت کی بقا ممکن نہیں۔

۷ فرقہ واریت، قومیت، لسانیت اور سیاسی تعصّبات نے امت کو کمزور کر دیا ہے۔جب تک امت ایک جھنڈے تلے جمع نہیں ہو گی، دشمن اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھاتا رہے گا۔

۸ میڈیا آج ذہنوں کا میدانِ جنگ بن چکا ہے۔اسلامی شعائر کو مسخ کر کے پیش کیا جا رہا ہے، اور نوجوان نسل کے عقائد پر حملے ہو رہے ہیں۔اگر امت نے میڈیا کو دعوت، اصلاح اور فکری دفاع کے لیے استعمال نہ کیا تو آنے والی نسلیں ایمان سے محروم ہو جائیں گی۔اب وقت ہے کہ دینی ادارے اور علماء میڈیا کے محاذ پر بھی قیادت سنبھالیں۔اس سلسلے میں مدارس وجامعات کو اپنے نصاب میں حاضرالعالم الاسلامی، الغزوالفکری اور میڈیاوارفیئر جیسے مضامین کو شامل کرنا چاہیے تاکہ نئی نسل کو اس جنگ کی بنیادی معلومات اور دشمن کے طریقہائے واردات کی معرفت حاصل ہو اور وہ اس سے بچنے کی کوشش کرے اور تفریح کے نام پر اس سیلاب میں بہنے اور اپنی شرم وحیا اور اخلاقی

اقدار سے محرومی کا تماشا دیکھنے سے بچ سکے۔

۹ مغرب نے آزادی، جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام پر اپنی تہذیب مسلمانوں پر مسلط کی ہے۔آج مسلمانوں کے لباس، زبان، طرزِ فکر اور طرزِ زندگی میں مغربی رنگ نمایاں ہے۔اسلامی تہذیب کو مثبت متبادل کے طور پر پیش کیے بغیر اس ثقافتی یلغار کا مقابلہ ممکن نہیں۔

ایک چنگاری جو خاکستر میں تھی:

خلافتِ عثمانیہ کے زوال کے بعد امتِ مسلمہ کی سیاسی وحدت بکھر گئی اور مغرب کی فکری و تہذیبی یلغار نے مسلم معاشروں کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ جیسا کہ آپ نے پڑھا اسلام کو صرف عبادات تک محدود کرنے، شریعت کو سیاست سے جدا کرنے، اور مغربی فکر کو ترقی کا معیار سمجھنے کی کوششیں کی جانے لگیں۔ایسے تاریک ماحول میں مختلف خطوں میں اسلامی تحریکات نے ایک نئی روحانی، علمی اور فکری بیداری کی بنیاد رکھی۔

ان تحریکات نے امت کو یاد دلایا کہ اسلام محض ایک مذہب نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے۔ جو سیاست، معیشت، تعلیم، عدل اور اخلاق سب پر محیط ہے۔یہ تحریکات دراصل زوال کے اندھیروں میں ایمان کی چنگاری بن کر ابھریں، وہ چنگاری جو امت مسلمہ کے تنِ مردہ میں ابھی باقی تھی؛ اور انہوں نے امت کو اس کی اصل شناخت یاد دلائی۔اس سلسلے میں:

۱ مسلم مفکرین نے رجوع الی القرآن والسنہ کی دعوت پر سب سے زیادہ زور

دیا، کیونکہ خلافت کے خاتمے کے بعد امت میں بد عملی، جمود اور خرافات عام ہوگئے تھے۔

۲ شیخ الاسلام امام محمد بن عبدالوہابؒ کی دعوت نے جزیرۂ عرب میں توحید، سنت اور اصلاح عقیدہ کی بیداری پیدا کی۔

۳ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خانوادے نے قرآن کریم کی اردو اور فارسی میں تفاسیر لکھ کر اور درسِ قرآن کے حلقے عام کر کے نیز صحاح ستہ کو برصغیر میں رائج کر کے رجوع الی القرآن، احیائے سنت، علمی تجدید اور عدلِ اسلامی کی فکری بنیادیں مضبوط کیں اور واضح کیا کہ امت کی اصلاح کا آغاز عقیدہ، عبادت اور علم سے ہوتا ہے۔

۴ اس کے ساتھ استعمار کے فکری حملوں کے مقابلے میں علما و مشائخ نے قلم اور تعلیم کے محاذ پر بھی میدان سنبھالا۔

۵ دارالعلوم دیوبند (1866ء) کے قیام نے برصغیر میں دینی و علمی تربیت کا ایسا مرکز قائم کیا جس نے ہزاروں علما، مبلغین اور مصلحین پیدا کیے۔

۶ ندوۃ العلماء (1894ء) نے قدیم و جدید تعلیم کے امتزاج سے اسلام کی فکری تعبیر کو نیا انداز دیا۔

۷ جامعہ ازہر (مصر) نے صدیوں پرانی علمی روایت کو جاری رکھا اور عالمِ عرب میں علمی قیادت کو دوام دیا۔ ان اداروں نے اسلام کی فکری اساس کو زندہ رکھا اور امت کو علمی خود اعتمادی عطا کی۔

۸ جب امت غلامی کے شکنجے میں جکڑی گئی تو اسلامی تحریکات نے سیاسی و سماجی اصلاح کے میدان میں بھی قدم رکھا۔

۹ علامہ سید جمال الدین افغانیؒ نے پوری مسلم دنیا میں وحدتِ امت اور استعمار کے خلاف مزاحمت کا شعور بیدار کیا۔

۱۰ شیخ رشید رضاؒ مصری اور علامہ محمد عبدہٗؒ نے اصلاحی فکر کو علمی بنیادوں پر پیش کیا۔

۱۱ شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ، جمعیت علمائے ہند اور جمعیت علمائے اسلام نے یہ ثابت کیا کہ دین اور سیاست کو جدا نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تحریکات اس بات کی علامت تھیں کہ اسلامی قیادت نہ صرف منبر پر بلکہ میدانِ عمل میں بھی امت کی راہ نما ہے۔

۱۲ اس کے علاوہ احیائے خلافت کے لیے منظّم تحریکیں بھی چلائی گئیں:

الف: تحریک خلافت خلافتِ عثمانیہ کے خاتمے کے خلاف اٹھنے والی پہلی منظّم عالمی تحریک تھی۔ برصغیر کے علما خصوصاً علی برادران (مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی) مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلّی نے اس کی قیادت سنبھالی۔ اس تحریک نے عوام کو خلافت اور امت کی وحدت سے جوڑا، اور استعماری طاقتوں کے خلاف آواز بلند کی۔ اگرچہ یہ تحریک سیاسی لحاظ سے کامیاب نہ ہو سکی، مگر امت میں اسلامی غیرت، شعور اور اتحاد کے بیج بو گئی۔

ب: امام حسن البنّا شہیدؒ نے مصر میں ''اخوان المسلمون'' کی بنیاد رکھی، جو جدید اسلامی تحریکات کی ''ماں'' کہلاتی ہے۔اس کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کو زندگی کے تمام پہلوؤں میں نافذ کیا جائے۔اخوان نے تعلیم، خدمت، دعوت اور سیاست۔ چاروں میدانوں میں عملی جدوجہد کی۔بعد میں سید قطب شہیدؒ نے ''معالم فی الطریق'' کے ذریعے تحریک کو فکری گہرائی دی، جس نے دنیا بھر میں اسلامی شعور کو مہمیز دی۔اخوان نے بتایا کہ اسلام ایک زندہ نظام ہے، جو ہر زمانے میں رہنمائی دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ج: اسی طرز پر برصغیر میں کئی دینی تحریکات اور جماعتیں وجود میں آئیں، جنہوں نے اسلام کے ہمہ گیر نظام کو جدید فکری زبان میں پیش کیااور بتایاکہ اسلام محض عقائد و عبادات کا نام نہیں بلکہ ایک مکمل نظامِ حیات ہے جو انسان کی انفرادی، اجتماعی اور سیاسی زندگی پر حاکم ہونا چاہتا ہے۔ کئی جماعتوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے جمہوری انداز میں اسلامی انقلاب کا تصور پیش کیااور نوجوان نسل کو فکری بیداری عطا کی۔

د: مولانا محمد الیاس کاندہلویؒ کی قائم کردہ تبلیغی جماعت نے روحانی و اخلاقی تربیت کے ذریعے امت کے دلوں کو زندہ کیا۔اس کا پیغام سادہ مگر گہرا تھا: ایمان کی تجدید، نماز کی پابندی، دعوت اور اصلاحِ نفس۔اس تحریک نے لاکھوں مسلمانوں کو مساجد سے جوڑا اور دین کی محبت کو عوام میں عام

کیا۔ یہ تحریک سیاسی نہیں تھی، مگر اس نے امت کے باطن کو سنوار کر روحانی انقلاب برپا کیا۔ یہ جماعت بھی دوسری اصلاحی تحریکوں کی طرح وقت کے تھپیڑوں سے متاثر ہوئی، مگر بحیثیتِ مجموعہ سو سال سے زائد عرصہ گزرنے کے باوجود یہ جماعت اسی منہج واصول پر اب بھی قائم ودائم ہے جو اس کے بانیانِ اول نے وضع کیے تھے اور اس سے جُڑنے والوں کی زندگیوں میں رونما ہونے والی تبدیلیاں اور اعمال میں نکھار اس جماعت اور اس دعوت کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت کی واضح وبی۔ن دلیل ہے۔

مسلم امہ میں اسلامی شعور کا احیا:

بیسویں صدی کے اواخر میں ترکی، سوڈان، انڈونیشیا، پاکستان اور دیگر مسلم ممالک میں اسلامی شعور دوبارہ بیدار ہوا۔ نجم الدین اربکان نے ترکی میں ''نیشنل وائس پارٹی'' کے ذریعے اسلام اور سیاست کے امتزاج کی راہ ہموار کی۔ جو اسلامی طرز سیاست کی حامل تھی۔ سیکولر تنگ نظر حکومت نے اس پر 1971ء میں پابندی عائد کردی۔ آپ نے 1972ء میں نیشنل سالویشن پارٹی قائم کی اور 1973ء کے انتخابات میں حصہ لے کر 48 نشستیں حاصل کرکے سیکولر پسندوں کی نیندیں اڑادیں۔ 1974ء میں آپ نائب وزیر اعظم بھی منتخب ہوئے۔ 1977ء کے انتخابات میں آپ کی جماعت نیشنل سالویشن پارٹی ملک کی تیسری بڑی طاقت بن کر ابھری۔ مگر تین سال بعد ہی ترک فوج کے

سیکولر پسندوں نے آپ کی جماعت کو کالعدم قرار دے کر آپ کو پابند سلاسل کر دیا۔ یہ ظالمانہ پابندی 1987ء تک رہی جو ایک ریفرنڈم کے نتیجے میں ختم ہوئی۔ آپ نے رفاہ پارٹی تخلیق کی اور 1990ء کے انتخابات میں 40 نشستیں حاصل کیں۔ یہی وہ انتخابات تھے جس کے بعد ترک سیاست میں اسلامی عنصر کو ایک اہم رکن شمار کیا جانے لگا۔ 1995ء میں ہونے والے انتخابات میں رفاہ پارٹی نے ملک کے 21 فیصد ووٹ حاصل کر لیے اور ایک دوسری جماعت کے ساتھ شراکت میں حکومت قائم کر لی۔ ترکی کے ایوان نمائندگان نے آپ کو اپنا قائد ایوان منتخب کر لیا۔ عدنان بندریس شہید کے بعد ترکی کے ایوان اقتدار میں پہلا اسلام پسند مرد جری داخل ہوا . آپ نے ترک عوام کو معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر اہم کثیر الجہتی اقدامات کیے۔ آپ کی معتدل مزاجی اور فراست کا کرشمہ یہ ہے کہ آپ نے ترک سیاست کا محور سیکولرازم سے اسلام میں تبدیل کر دیا۔ بحثیت وزیر اعظم آپ کی خارجہ پالیسی دو مرکزی نکات پر مشتمل تھی۔ اور یہ کہ آپ اسلامی ممالک کے ساتھ قریبی تعلقات کو نہایت اہمیت دیتے تھے اس ضمن مین آپ نے ڈی ایٹ نامی تنظیم قائم کی جو اسلامی ممالک کے معاشی مسائل کے حل کے لیے کوشاں ہے۔ دوم یہ کہ آپ صیہونیت کے سخت ناقد تھے اور اس کے اسلامی ممالک میں بڑھتی ہوئی ریشہ دوانیوں کے سدباب کس لیے ٹھوس اقدامات کرنے کے متمنی تھے۔ ترک فوج کے سیکولر پسندوں کو آپ کی بلکہ دوسرے الفاظ میں اسلامی طرز حکمرانی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی مقبولیت کہاں گوارا ہو سکتی تھی۔ انھوں نے

صرف ایک سال بعد ہی اپنے خبث باطن کا مظاہرہ کرتے ہوئے آپ کی حکومت ختم کر دی۔ اس بار آپ کے عملی سیاست میں حصہ لینے پر بھی پابندی عائد کر دی گئی۔ اربکان کی سوچ کو شکست دینا ناممکنات میں سے تھا۔ آپ نے ساتھیوں نے باطل کے آگے ہتھیار ڈالنا تو سیکھا ہی نہ تھا۔ 1997ء میں آپ نے ورچو پارٹی قائم کر کے سیکولر پرستوں کو ایک بار پھر چیلنج کر دیا۔ حسب سابق ورچو پارٹی بھی 2001ء میں سیکولر استداد کی تنگ نظری کا شکار ہو گئی۔ اب اربکان نے سعادت پارٹی کی شکل میں سیکولرازم کے سامنے چٹان کھڑی کر دی۔ ترکی کے موجودہ صدر اور سابق وزیر خارجہ عبداللہ گل آپ کی حکومت میں وزیر رہے۔

اربکان کے شاگرد رجب طیب اردوان نے جدید ترکی میں اسلامی تشخص اور ترقی کو یکجا کر کے امت کے لیے نئی امید بنائی۔ رجب طیب اردوا اردوانن اپنی ابتدئی جوانی سے مضبوط اجتماعی اور سیاسی زندگی کی جدوجہد کی وجہ سے مشہور تھے۔ اور انھوں نے 1969ء سے لے کر 1982ء تک یعنی چودہ سال کے درمیانی حصہ میں اپنی ٹیم کے ساتھ اجتماعی کام کے تجربہ کی روشنی میں سلیقہ عمل اور ڈسپلن سیکھا۔ چونکہ وہ ایک وسیع النظر اور روشن فکر جوان تھے اور پختہ یقین تھا کہ اپنے ملک و ملت کا بڑا فائدہ اس میں ہے کہ وہ سیاسی زندگی میں قدم رکھے، چنانچہ بڑے دھوم دھام اور متحرک صورت میں سیاسی زندگی میں داخل ہوئے۔

رجب طیب اردوان 1983ء میں رفاہ پارٹی کی تاسیس کے ساتھ بڑی طاقت کے ہمراہ میدان میں اترے اور 1984ء میں استنبول کے ضلع بے اوغلو

الجامعۃ الیوسفیۃ العالمیۃ

کی ایک تحصیل کے صدر بن گئے، پھر استنبول شہر صدر بن گئے اور 1985ء میں رفاہ پارٹی کے مرکزی قرارداد کمیٹی کے رکن مقرر پائے۔ اسی عرصہ میں طیب اردوا اردوانن نے بڑے پیمانے پر کوششیں کیں، خصوصاً جوانوں اور عورتوں کو سیاست کی طرف راغب کیا، اس اردوا اردوانن معاشرے میں سیاست کی ترویج اور قومی مفادات کے لیے اہم اقدامات اٹھائے اور یہی وجہ تھی کہ ان اقدامات کے نتیجے میں نئی تنظیم رفاہ پارٹی نے واضح برتری حاصل کی، اس پارٹی نے 1989ء میں ضلع بے اوغلو کے بلدیاتی انتخابات میں بڑی کامیابی حاصل کی اور یہ ملکی سیاست میں قابل تقلید سمجھی جانے لگی۔ 27مارچ 1994ء میں ہونے والے لوکل الیکشن میں رجب طیب اردوااردوانن ملک کے سب سے بڑے شہر استنبول کے گورنر منتخب ہوئے۔ اس وقت استنبول کا شمار دنیا کے ان شہروں میں ہوتا تھا جہاں نہ امن قائم تھا اور نہ ترقی تھی، اس شہر میں جہاں پانی بر قی کی قلّت تھی، وہیں کوڑا کرکٹ اور کچرے کا مسئلہ تھا ان جیسے بہت سارے بڑے بڑے مسائل کو حل کرنے کا ایسا حل نکالا کہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے خوبصورت شہروں میں سے اسے ایک بنا دیا۔ اور1994ء سے 1998ء تک استنبول کے میئر رہے۔ 1997ء میں رجب طیب اردوااردوانن نے سیرت شہر کے ایک جلسہ عام میں دوران خطاب ایک شعری مصرع پڑھا تھا جس کے الفاظ یہ تھے: گنبد ہماری جنگی ٹوپیاں ہیں، مسجدیں ہماری فوجی چھاؤنیاں ہیں، صالح مسلمان ہمارے سپاہی ہیں، کوئی دنیاوی طاقت ہمیں شکست نہیں دے سکتی۔ اس جلسہ عام کے بعد محض اس شعری مصرع

کی وجہ سے 12 دسمبر 1997ء کو جیل جانا پڑا، جس کے نتیجے میں انھیں ترکی کے بڑے شہر استنبول کے گورنری سے معزول کر دیا گیا۔ اور 2001ء میں عبد اللہ گل کے اتحاد میں جسٹس اینڈ ڈیولیپمنٹ پارٹی بنائی۔ لیکن شہر سیرت کے جلسہ عام کے مقدمے کی وجہ سے رجب طیب اردوا اردوانن نومبر 2002ء کے انتخابات میں امیدوار نہ بن سکے کیونکہ اس کی اہلیت کے بارے میں اسی مقدمے کی روشنی میں عدالتی حکم آیا تھا۔ اور پھر جب اس معاملے میں قانونی ترامیم ہوئیں تو انتخابی رکاوٹیں دور ہوئیں۔ جس کے بعد 9مارچ 2003ء کو جب رجب طیب اردوا اردوانن نے اسی سیرت شہر سے پارلیمانی امیدوار کے لیے انتخابات لڑا تو پچاسی فیصد 85% ووٹ حاصل کیے جس کی بدو لت وہ بائیسویں الیکشن میں سیرت شہر سے رکن پارلیمنٹ منتخب ہوئے اور 2003ء کے الیکشن میں وزیر اعظم بنائے گئے۔2014ء میں ترکی کی تاریخ میں پہلی مرتبہ صدارتی انتخابات ہوئے، اس سے پہلے پارلیمانی افراد کو یہ حق تھا کہ وہ ملک کے کے صدر کا انتخاب کریں اور اس پہلے ترکی کے صدارتی انتخابات میں کامیابی حاصل کی اور اگست 2014ء کو ترکی کی قوم نے اپنے ووٹوں سے پہلی مرتبہ رجب طیب اردوااردوانن کو جمہوریہ ترکی کا صدر منتخب کر لیا۔ اور 16اپریل 2017ء کو ترکی کے تاریخی ریفرنڈم انتخابات میں اکیاون اعشاریہ اکتالیس فیصد ووٹ حاصل کرتے ہوئے اپنی زندگی کی ایک اور بڑی کامیابی حاصل کی۔28 مئی2023ء کے رزلٹ کے بعد رجب طیب اردوان نے اکثریت سے یہ الیکشن جیت لیا۔ ووٹوں کی گنتی کے بعد سپریم

الیکشن کونسل نے رجب طیب ایردوان کو نئے صدر کے طور پر منتخب قرار دیا۔ وہ 2014ء سے اب تک ترکی کے صدر ہیں۔

اسی طرح دنیا کے مختلف حصوں میں اسلامی تنظیمیں تعلیم، فلاح اور سیاست کے میدانوں میں سرگرم ہیں۔ اگرچہ اسلامی تحریکات کو کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، جس میں استعماری طاقتوں کی مزاحمت، اندرونی دباؤ، داخلی انتشار اور قیادت کے اختلافات، سیکولر نظام اور جدیدیت کے حامیوں کا دباؤ سرفہرست ہے، تاہم ان تمام رکاوٹوں کے باوجود یہ تحریکات امت کے دل میں یہ یقین زندہ رکھنے میں کامیاب رہیں کہ:

اسلام ایک زندہ حقیقت ہے۔ ان اسلامی تحریکات نے زوال کی راکھ میں احیا کی چنگاری سلگائی، امت کو مایوسی سے نکال کر یہ پیغام دیا کہ جب ایمان زندہ ہو، علم و عمل متحد ہوں، اور قیادت مخلص ہو۔ تو خلافت و عزت دوبارہ ممکن ہے۔

ان تحریکات کا اثر:

ان تحریکات کے نتیجے میں:

۱ امت میں اسلامی شعور، غیرت اور اعتماد دوبارہ پیدا ہوا۔

۲ مدارس، تعلیمی ادارے، مساجد اور تنظیمات نے دینی بیداری کا نیٹ ورک قائم کیا۔

۳ سیاست میں اسلام کے کردار پر نئی فکری بحث شروع ہوئی۔

۴ نوجوان طبقہ اسلام کو جدید دور کی زبان میں سمجھنے لگا۔

کیا خلافت کا احیاء ممکن ہے؟

خلافت اسلام کا وہ نظامِ حکومت ہے، جو اللہ رسول ﷺ کی ہدایات اور خلفائے راشدینؓ کی سنت پر مبنی ہے۔ یہ نظام عدل، شوریٰ، مساوات اور امانت پر قائم تھا، مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امت سیاسی انتشار، فکری انحطاط اور استعماری یلغار کا شکار ہو گئی۔

خلافتِ عثمانیہ کے زوال (1924ء) کے بعد سے مسلمانوں میں خلافت کے احیا کی مختلف تحریکیں ابھرتی رہیں، مگر بظاہر کوئی بھی تحریک پائیدار سیاسی صورت اختیار نہ کر سکی۔

اس دور میں ایک بڑا سوال یہ ہے کہ کیا خلافت کا احیا ممکن ہے؟ کیا آج کے دور میں خلافت کا قیام ممکن ہے؟ آیئے! اس سوال کا جواب تلاش کرتے ہیں:

آج دنیا جمہوریت، بادشاہت اور قومی ریاستوں کے اصولوں پر قائم ہے۔ بین الاقوامی سیاست، اقوامِ متحدہ، اور عالمی مالیاتی ادارے اسی نظام کے محافظ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو بھی تحریک خلافت کے قیام کا اعلان کرتی ہے، وہ عالمی طاقتوں کے لیے ناقابلِ قبول قرار پاتی ہے۔ ایسے حالات میں صرف احیائے خلافت کے نعرے اور جذباتی وقتی کوششیں امت کو مزید انتشار اور بداعتمادی کی طرف لے جانے کا سبب بن سکتی ہیں۔

اسلام میں کوئی ایسا حکم نہیں کہ خلافت ہر حال میں بیک وقت تمام دنیا پر قائم ہو، بلکہ شریعت کی تعلیم یہ ہے کہ جہاں جہاں مسلمان اقتدار حاصل کریں، وہاں عدل، شوریٰ اور شریعت کے اصولوں پر نظام قائم کریں، جو عدل، امانت، شفافیت اور رعایا کی خدمت پر مبنی ہو۔ یہی خلافت کے نظام کی عملی روح ہے۔

قابلِ عمل راستہ:

موجودہ حالات میں امت کے لیے زیادہ قابلِ عمل راستہ یہ ہے کہ وہ خلافت کے نعرے لگانے والے جذباتی گروہوں کی اتباع کرنے کے بجائے اسلامی اصولوں پر مبنی صالح حکمرانی کو اپنی منزل بنائے۔ اگرچہ اس طرح کرنے سے مکمل نظامِ خلافت تو فی الحال ممکن نہیں ہوگا، لیکن عدل و شوریٰ کی روح ہر مسلم حکومت میں نافذ کی جاسکتی ہے۔

لہٰذا ہمیں نظام خلافتِ راشدہؓ پر محض اصرار کرنے اور جمہوری نظام کو چیلنج کرنے کے بجائے حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ جیسے عادل حکمرانوں کے طرزِ حکومت کو نمونہ بنانا چاہیے، انہوں نے عملی سطح پر شریعت کی اقدار، عدل، دیانت اور رعایا نوازی کو نافذ کیا تھا، یہی خلافت کا بھی مقصود ہے، چاہے نظام کا نام جمہوریت ہو یا خلافت، محض نام کے لیے نہیں لڑنا چاہیے۔ اسلام کی نگاہ میں نام سے زیادہ مقصد اہم ہے۔

حاصل یہ کہ امت کی موجودہ حالت میں سب سے بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ہم جمہوری و قانونی نظام کے اندر رہ کر عدل و شفافیت کو فروغ دیں۔ یاد رکھیے کہ اسلام، عدل و خدمت کے ہر اس نظام کو قبول کرتا ہے جو ظلم و استحصال سے پاک ہو۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان ممالک میں:

۱ عوام کو ان کے بنیادی حقوق یعنی تعلیم، صحت، روزگار اور امن و انصاف وغیرہ فراہم کیے جائیں۔

۲ حکومتیں قانون و آئین کے تابع اور رعایا کی خدمت گزار ہوں۔

۳ اہلِ علم، دانشور، اور اہلِ قلم امت کو انتشار کے بجائے اصلاح کی راہ دکھائیں۔

۴ حکمران خود مختاری سے اپنے فیصلے خود کرنے کی جرأت پیدا کریں اور مغربی قوتوں اور عالمی استعمار کے دباؤ سے آزاد پالیسیاں اپنائیں۔

یہی وہ تدریجی راہ ہے جو مستقبل میں خلافت کے احیاء کی بنیاد فراہم کر سکتی ہے۔ واضح رہے کہ فقہی و شرعی لحاظ سے خلافت کا قیام فرضِ کفایہ ہے، مگر اس کے لیے شرط یہ ہے کہ امت میں ایسی قوت، اتحاد اور استعداد موجود ہو جو اس نظام کو قائم رکھ سکے۔ جب ایسی قوت موجود نہ ہو تو شریعت کا تقاضا یہ نہیں کہ امت خود کو تباہی و بربادی یا انتشار و افتراق اور بغاوت کے راستے ڈال دے، بلکہ یہ ہے کہ جہاں جتنا ممکن ہو وہاں عدل و انصاف کے اصول نافذ کرنا ہی شریعت کا مقصود ہے۔

خلافت کا اصل مفہوم ذمہ داری، عدل، اور رعایا کی خیر خواہی ہے نہ کہ صرف ایک سیاسی عنوان۔

خلافت کا احیا جذبات سے نہیں، عقل، علم اور تدبر سے ممکن ہے۔ چنانچہ جب مسلمان ممالک اپنے داخلی نظام کو درست کریں گے، جب عدل، شفافیت، تعلیم اور دیانت جیسے اوصاف ان کا شعار بنیں گے، جب حکمران مغربی دباؤ سے آزاد ہو کر اپنی امت کے مفاد میں فیصلے کریں گے اور مسلم ممالک ایک جان دو قالب کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں گے تو یہی اصلاحی بنیادیں مستقبل میں خلافت کے قیام کا پیش خیمہ ثابت ہوں گی۔ اصل فریضہ یہ ہے کہ ہم اپنے معاشروں میں عدل، شریعت، خدمتِ خلق، اور ایماندار قیادت کو فروغ دیں۔

سو باتوں کی ایک بات یہ ہے کہ خلافت کا قیام اسی دن ممکن ہو گا جب امت اپنے اندر وہ اوصاف پیدا کرے جن پر خلافتِ راشدہ قائم تھی۔

وما توفیقی إلا باللہ

شعبہ ابلاغ عامہ

شعبہ ابلاغ عامہ کا قیام 2021 میں اس شعبہ کا قیام شیخ الجامعہ مولانا ڈاکٹر نعمان نعیم کی خواہش پر عمل میں لایا گیا۔ شعبہ ابلاغ عامہ کا بنیادی کام جامعہ بنوریہ عالمیہ کے تمام شعبہ جات کو تحریر، کانٹنٹ رائٹنگ میں ماہر اور سوشل و ڈیجیٹل اسکلز کے حامل افراد مہیا کرنا ہے۔ اپنے قیام کے تین سال میں شعبہ اب تک جامعہ کو دس کے قریب افراد فراہم کر چکا ہے، جو جامعہ میں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ دوسرے مرحلے میں صحافت اور میڈیا میں دینی سوچ کے حامل محب وطن افراد کو تیار کر کے بھیجنا ہے تاکہ وہ عوام کی درست راہ نمائی کر سکیں۔ تیسرے مرحلے میں ایسے ریسرچ تیار کرنے ہیں جن کی ریسرچ کو سرکاری ادارے اور حکومت کی سطح پر بھی پذیرائی حاصل ہو۔ جامعہ کے دیگر شعبہ جات بھی کانٹینٹ لکھوانے کے لیے شعبہ ابلاغ عامہ کے فضلا سے رابطہ کرتے ہیں۔

اغراض ومقاصد:

اسلامی نظریات پر مبنی میڈیا پروفیشنل تیار کرنا: اس شعبہ کا ہدف دینی سوچ کے حامل صحافی اور میڈیا پروفیشنلز کو تمام مہارتوں سے آراستہ کر کے عملی میدان میں بھیجنا ہے، جو معاشرتی اصلاح کے لیے کردار ادا کر سکیں۔ **تحریری اور عملی مہارتوں کا فروغ:** طلبہ کو مختلف ابلاغی کی عملی مشق کرائی جاتی ہے تاکہ وہ نصابی علوم کے ساتھ عملی تجربہ بھی حاصل کریں۔ **ادارے کے دیگر شعبہ جات کی ابلاغی ضروریات پوری کرنا:** جامعہ کے مختلف شعبوں کے لیے کانٹینٹ رائٹنگ اور کمپیوٹر اسکلز پر کام کرنے والے ماہرین فراہم کیے جاتے ہیں۔ **مزید معلومات کے لیے 03194080233**

ڈاکٹر مولانا محمد جہان یعقوب (سربراہ شعبہ ابلاغ عامہ)

قارئین کرام کی توجہ کیلئے

موجودہ معاشرے اور نوجوان نسل کے اذہان کے تناظر میں دینی رہنمائی کیلئے وقت کی تنگی اور مطالعہ کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مختصر رسالے شائع کئے جاتے ہیں۔ ان رسالوں کی اشاعت کا مقصد گھر گھر اور در در دینی معلومات کو پہنچانا اور خالصتاً للہ امت کی اصلاح مطلوب ہے۔

اس نیک مقصد میں آپ بھی معاون بن کر حسب توفیق اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ ماہانہ ایک ہزار (1000/-) روپے سے باقاعدہ ممبر شپ حاصل کرسکتے ہیں۔ آپ کے دیئے ہوئے ایڈریس سے مقررہ تاریخ اور مقررہ وقت پر ہمارا نمائندہ رسید کے ساتھ وصول کرتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنی استعداد کے مطابق ایک ہزار سے کم اور زیادہ رقم سے بھی ممبر شپ حاصل کرسکتے ہیں، نیز کل مالی رقم یکمشت بھی ادا فرما سکتے ہیں۔

اس کے عوض شائع ہونے والا ہر رسالہ (جو مختلف موضوعات پر ہوتا ہے) بذریعہ ڈاک آپ کو ارسال کیا جاتا رہے گا۔

قارئین کرام اپنے مرحومین کے ایصال ثواب کیلئے اپنی خواہش کے مطابق عامۃ الناس کی دینی رہنمائی کا فریضہ ادا کرسکتے ہیں۔

آپ جامعہ بنوریہ عالمیہ کے دیئے ہوئے آن لائن اکاؤنٹ میں بھی رقم جمع کروا کر بینک سلپ دے کر رسید حاصل کرسکتے ہیں۔

الملتمس: الجامعۃ البنوریۃ العالمیۃ سائٹ کراچی

اپیل!

بحمداللہ تعالیٰ محدود صفحات اور مختلف موضوعات پر مشتمل اصلاح امت کے عنوان سے پابندی سے آنے والے رسالے عوام الناس میں پذیرائی حاصل کررہے ہیں۔ اس کار خیر میں حصہ ڈالنے کے لیے قارئین سے اپیل کی جاتی ہے کہ اپنی بساط کے مطابق اس کی نشر و اشاعت میں حصہ لیکر ثواب دارین حاصل کریں۔

رقم جمع کرانے کیلئے اکاؤنٹ

jamia binoria al-almia
A/C# 716020000825
Askari Bank LTD

رابطہ کیلئے: مولانا محمد جنید صاحب

02132575228+02132575229
موبائل: 0322-2394550